© rasailojaraid.com



# عصری اور دینی تعلیم کی ضرورت

مفتی سفیر احمد ثاقب

زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نعمت ہے۔ وقت مقررہ پر واپس لے لی جاتی ہے، ایک لمحہ اس میں تاخیر ہوسکتی ہے نہ ایک لمحہ جلدی۔ زندگی کے عارضی ہونے اور چند روزہ مہلت ہونے کا نظریہ تقریباً ہر باشعور انسان کے ذہن میں ہے، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ البتہ اسے استعمال کرنے کا طرزِ فکر، مسلم وغیر مسلم کا جدا جدا ہے۔ ایک مسلمان جسے اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان ہے، زندگی اس طرح گزارنا چاہتا ہے جس کے نتیجے میں اسے آخرت کی نجات بھی حاصل ہو، جب کہ ایک غیر مسلم جس کے دل ودماغ میں آخرت کا کوئی تصور نہیں وہ زندگی سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونے کی فکر کرتا ہے، کہ زندگی بار بار نہیں ملتی۔ چنانچہ اس طرزِ فکر کی وجہ سے وہ کسی اخلاقی بندش کا اپنے کو پابند نہیں سمجھتا، اور لطف اندوزی کے لئے اگر اسے حیوان کے درجے پر اترنا پڑے تو وہ اس سے بھی گریز نہیں کرتا۔ بلکہ اسے روشن خیالی اور اعلیٰ ظرفی جیسے عنوانات سے تعبیر کرتا ہے۔ اس طرزِ عمل کا اعلیٰ نمونہ مغربی معاشرے میں موجود ہے۔

بد قسمتی سے اس وقت دنیا میں اہل مغرب کا غلبہ ہے، اس وجہ سے ان کا طرز عمل اور طرز فکر پوری دنیا پر چھایا ہوا ہے، مسلمانوں کی بھی بڑی تعداد اس سے متاثر ہے۔ یہ فطری بات ہے کہ حاکم کا رعایا پر اور فاتح و مغلوب کا مفتوح پر اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ جب تک دنیا پر مسلمانوں کے اقتدار کا غلبہ رہا تو پوری دنیا میں اسلامی طرز زندگی اور طرز فکر کی پرچھائیاں رہیں۔ مثلاً عام طور پر لوگوں میں زہد وعبادت، اخلاقی قدروں کی عظمت ومحبت اور بے حیائی، بددیانتی اور ظلم جیسی برائیوں سے نفرت وحقارت پائی جاتی تھی۔ ہر مذہب وملت والوں میں چاہے وہ عیسائی ہوں یا یہودی، سکھ ہوں یا ہندو، عزت وذلت کا معیار یہی چیز رہی۔ وہ بے شک اپنے اپنے دھرم کے ہی پابند رہے مگر ان کی سوچ وفکر پر اسلامی سوچ وفکر کا اثر تھا کہ مادیت کے مقابلے میں روحانیت اور مال کے مقابلے میں کردار وکمال کو عظمت کی چیز سمجھتے تھے۔

مختصر یہ کہ اس عارضی زندگی کو بامقصد، منظم اور بہتر طریقے سے گزارنے کے لئے اور آخرت کی دائمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نجات کے حصول کے لئے مسلمانوں پر فرض ہے کہ دین کے احیاء (زندہ و نافذ کرنے) میں زبردست محنت وجدوجہد کریں۔ اور ہمہ جہت کوششوں میں حصہ لیں۔ الحمدللہ اس سلسلے میں مختلف جہات سے کوششیں ہو رہی ہیں اور بہت سے خوش قسمت حصہ لے کر اپنے رب کی رضا کا سامان کر رہے ہیں۔ تاہم ان تمام کوششوں میں تعلیم کے شعبے میں کام کرنے اور اسے معیاری سطح پر لانے کے لئے انتھک محنت کی ضرورت ہے، اس لئے کہ یہ ایسی بنیاد ہے جو زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے۔ تعلیم یافتہ افراد ہی زندگی کے ہر شعبہ میں کردار ادا کرتے ہیں، تعلیم و تربیت سے جس طرح ان کا دل و دماغ بنا ہوگا، وہ ایسے ہی نتائج معاشرے پر چھوڑیں گے۔

ہمارے لئے دین کی مکمل تعلیم کا لازمی مضمون ہونا چاہیے نہ کہ اختیاری۔ دینِ اسلام، عیسائیت یا ہندومت کی طرح محض پوجا پاٹ کی چند رسموں کا نام نہیں، یہ ایک مکمل طریقہ زندگی ہے اور اس کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ دینی تعلیم سے اللہ تعالیٰ سے تعلق جڑتا ہے اور فکر آخرت اور اعمال کی جوابدہی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں انسان فرائض و ذمہ داریاں صرف اس لئے پورا نہیں کرتا کہ یہ اس کی قوم و ملک کا حق ہے بلکہ اس کے ساتھ وہ اپنی نجات بھی اسی میں سمجھتا ہے۔ نیز حقوق خدا اور بندگان خدا کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک محض اس دکھاوے کی بنیاد پر نہیں کرتا کہ اسے ایک اچھا شہری کہا جائے بلکہ اس لئے کرتا ہے کہ اس میں وہ اپنے رب کی رضا سمجھتا اور اپنی بھلائی خیال کرتا ہے۔ یہ سوچ و فکر کی کتنی مضبوط زنجیر ہے جس میں انسانی زندگی کا ڈھانچہ بندھا ہوا ہے، اگر یہ طرزِ فکر پورے معاشرے میں یا اکثر میں پیدا ہو جائے تو تمام سطحی کوششوں کے بغیر ہی ایک مہذب، بااخلاق اور پرامن معاشرہ وجود میں آجائے جس طرح کہ اسلام کے غلبہ کے دور میں ہوا تھا، لیکن افسوس......!

وائے ناکامی! متاع کارواں جاتا رہا     کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

لہٰذا مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کا نصاب تعلیم ایسا ہونا چاہیے جس میں مکمل دینی علوم پڑھائے جائیں۔ مکمل سے ہماری مراد یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن پاک کے الفاظ کی سو فیصد درست ادائیگی طالب علم کو آنی چاہیے۔ چاہے وہ پورا قرآن حفظ نہ کرے لیکن قرآن مجید کو درست تلفظ اور روانی کے ساتھ پڑھنا ایک مسلمان کو لازماً آنا چاہیے۔ اس کے بعد قرآن کے مضامین اور اس میں بیان کئے گئے علوم و احکام سے استفادہ کرنے کے لئے مضبوط طریقے پر عربی گرامر اور دیگر بنیادی اسلامی علوم و فنون کی تعلیم دی جانی چاہیے۔ جس سے طالب علم میں قرآن و حدیث و فقہ سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو، تا کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱- اسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے انبیاء علیہم السلام، آخرت اور اسلام کے حوالے سے کن عقائد ونظریات کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے پابند کیا ہے۔

۲- تمام عبادات کا تفصیلی علم حاصل ہونا چاہیے، جس میں فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کے علم کے ساتھ عبادات کو ضائع (باطل ومفاسد) کر دینے والے امور سے بھی واقفیت ہو۔

۳- تمام معاملات جن میں خرید وفروخت، تجارت، زراعت اور اجارات (Services) وغیرہ کمائی کے جملہ ذرائع اور آمدنی کے احکام شامل ہیں، کا علم آنا چاہیے تاکہ حلال وحرام کے درمیان تمیز پیدا ہو اور کرپشن کی وباء جنم نہ لے سکے۔

۴- معاشرت کے احکام کا علم حاصل ہو، جس میں خاندانی زندگی (نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ) کے احکام، معاشرہ میں رہتے ہوئے لوگوں کے ساتھ برتاؤ، رویہ، رشتہ وقرابت کے حقوق وفرائض شامل ہیں۔

۵- شخصی تعمیر اور سیرت وکردار سازی سے متعلق اسلامی تعلیمات جو اخلاق وآداب کے عنوان سے تعبیر کی جاتی ہے، کا علم حاصل ہونا چاہیے تاکہ یہ فرد معاشرے کے لئے صالح امانت دار اور صاحبِ تقویٰ ہو سکے۔

ان سارے امور سے متعلق اسلامی علوم کی کتب میں قرآن وسنت کی روشنی میں بہت تفصیلات ہیں، یہاں صرف چند عنوانات ذکر کئے گئے ہیں، تاکہ عام آدمی کو اسلامی علوم سے اجمالی تعارف حاصل ہو اور یہ معلوم ہو سکے کہ ہم جو اس بات پر زور دے رہے ہیں، کہ مکمل دینی علوم حاصل کئے جائیں اس سے کیا مراد ہے؟

اور یہ سب تعلیمات جب اس ایمان وعقیدے کے ساتھ حاصل کی جائیں گی کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات ہیں، ان کے مطابق عمل کرنے میں میری نجات ہے اور ان کے خلاف کرنے میں میری ہلاکت ہے اور اس کے ساتھ تعلیمی ادارے کا ماحول بھی خالص دینی ہو تو یہ تعلیمات زبردست عملی جذبہ پیدا کریں گی۔ تب ایسے تعلیم یافتہ افراد حقیقی معنوں میں سارے معاشرے کے لئے بلکہ انسانیت کے لئے خیر وبھلائی کا ذریعہ بنیں گے۔ اگر کسی اخلاقی تعلیم کے پیچھے عقیدت ومحبت کے جذبات اور جواب دہی اور سزا کا خوف نہ ہو تو خواہ وہ کتنی ہی اچھی باتوں پر مشتمل کیوں نہ ہو، وہ محض فلسفہ ہی ہوگا، جو مجلس آرائی کے لئے فلسفیانہ گفتگو کی زینت تو ہوگا عملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

اس کے ساتھ مروج عصری علوم (Arts) کو بھی پڑھایا جائے، کہ یہ وقت کی ضرورت ہے۔ اور جو چیز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کی بہتری کے لئے جس قدر ضروری ہو وہ حدود جواز کے اندر رہتے ہوئے حاصل کرنا خود دین ہے۔ لہٰذا محض دنیوی علوم نہیں کہنا چاہیے جب کہ وہ دینی علوم کے تابع ہوں۔ (یہ ایک تشکیل ہے جس کے ساتھ مکمل دینی علوم تفصیل سے پڑھائے جائیں اور دستیاب وسائل کے ساتھ، ہم نے اپنے ادارے میں یہی تشکیل رکھی ہے، اس کے علاوہ ایک اور تشکیل بھی ہو سکتی ہے کہ ایک خاص مرحلے تک عصری علوم کے ساتھ دینی علوم کے اہم مبادیات رکھے جائیں جن میں ضرورت اور فرض کے درجے کا مواد ماہر اساتذہ پختگی سے پڑھادیں۔ اس کے بعد اگلا مرحلہ اختصاص اور سپیشلائزیشن کا رکھا جائے۔ اس میں بے شک صلاحیت اور رجحان کو دیکھ کر طلبہ کو موقع فراہم کیا جائے، کوئی فقہ وحدیث وغیرہ میں اختصاص حاصل کرے، یا میڈیکل انجینئرنگ وغیرہ کی طرف جائے، کہ یہ سارے شعبے مسلمانوں کی ضرورت ہیں)۔

لیکن فی الوقت ہمارا نظام تعلیم دو حصوں میں اس طرح بٹ چکا ہے کہ دینی علوم کی درسگاہیں بالکل جدا ہیں اور خالص دنیوی علوم کے ادارے بالکل جدا ہیں۔ دینی اداروں میں پھر بھی عصری تعلیم میٹرک تک لازمی کردی گئی ہے، لیکن دنیوی علوم کی درسگاہوں میں دین بالکل ایک اجنبی جنس بن کر رہ گیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان دونوں نصابوں سے تیار ہونے والے افراد کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہوگئی ہے۔ اس خلیج کو پاٹنے کی ضرورت ہے، لیکن اس طرح نہیں کہ ان دو میں سے ایک کو درمیان مین دفن کردیا جائے جیسا کہ بعض بدفہموں کے طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے، بلکہ اس طرح کہ دونوں چیزیں ہماری اجتماعی ضرورت ہیں، اور ضرورت تسلیم کرکے نہایت دانش مندی سے یہ دیکھا جائے کہ جہاں جو کمی ہے اسے پورا کرلیا جائے، مثلاً دنیوی علوم کے اداروں میں دین کے ابجد سے بھی واقفیت پیدا نہیں ہورہی تو اس کا بندوبست کرنا ہی خیر خواہی اور فرض شناسی کا تقاضا ہے۔

الغرض یہ ایک اجتماعی فرض ہے جو اصل میں اربابِ اقتدار کو ادا کرنا چاہیے۔ مگر آج تک جب اربابِ حکومت نے کچھ نہیں کیا اور آئندہ بھی ان کے طرزِ عمل سے کوئی توقع پیدا نہیں ہورہی تو کیا محض تجاویز پر اکتفا کرلیا جائے یا اپنے بس میں جو کچھ ہے ایک فرض کی ادائیگی کے لئے وہ کر گزرنا چاہیے؟ میرے خیال میں دینی جذبہ وحمیت رکھنے والا ہر شخص یہی کہے گا کہ محض تجاویز کے بجائے ضرور عمل کی طرف بڑھنا چاہیے۔ اس طرح ہوتے ہوئے انشاء اللہ بہت سے لوگ اس سمت میں سفر کرنے لگیں گے۔

☆☆......☆☆

© rasailojaraid.com